بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

جہاد اور اس کی اقسام

——————— سید جلال الدین عمری

دنیا کے ہر علم و فن اور فلسفہ و مذہب کی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں۔ اس سے انھیں صحیح اور بہتر طریقہ سے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن ان اصطلاحات کے وہی معنی لیے جائیں گے جو خود اس فن یا مذہب نے متعیّن کیے ہیں۔ ان سے ہٹ کر ان کے کچھ دوسرے معنی متعین کرنا اس کے ساتھ بڑی زیادتی ہوگی۔ اس سے اندیشہ ہے کہ اس کے مقصد اور منشا کو صحیح طور پر سمجھا نہ جاسکے گا بلکہ اس کی غلط تعبیر و تشریح ہوگی یہی معاملہ اسلام کا ہے۔ اس نے بھی اپنے مقصد و مدّعا کی ترجمانی کے لیے مخصوص اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ بعض اوقات ان پر اس طرح گفتگو ہوتی ہے جیسے ان کا مفہوم و مدّعا ابھی تک واضح نہیں ہے اور اب اسے واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ ان اصطلاحات کا مفہوم محض زبان اور لغت سے یا کسی کے ذہنی مزعومات اور ذاتی خیالات سے متعیّن نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کا مفہوم خود اسلام سے معلوم کرنا ہوگا اور وہی مفہوم معتبر ہوگا جو اس نے بیان کیا ہے۔ اس نے ایمان، کفر، نفاق، صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج اور نسک جیسی متعدد اصطلاحات بکثرت استعمال کی ہیں اور ان کی تشریح بھی کردی ہے۔ عقیدہ و عمل کی دنیا میں ان کا مقام متعیّن کردیا ہے۔ ان میں مطلوب اور نامطلوب کی اچھی طرح وضاحت کردی ہے اور ان کے نتائج سے باخبر کردیا ہے۔ جو اعمال مطلوب ہیں ان کی انجام دہی کے طریقے اور حدود و شرائط بتا دئے ہیں۔ ان سب سے واقفیت کے بغیر ان کے متعلق گفتگو نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح کی ایک اصطلاح 'جہاد' ہے۔ بہت سے لوگ اس پر اس طرح گفتگو کرتے ہیں جیسے جہاد کے معنی ہی

ہیں مخالفین سے لڑنا، فساد کرنا، ناحق خون بہانا، بے سوچے سمجھے کسی پر حملہ کر دینا۔ دہشت گردی پھیلانا اور کسی بھی فرد، قوم اور ملک کو تباہ و برباد کر دینا۔ مسلمان وہ ہے جو اس انسان دشمنی اور درندگی کو کارِ ثواب بلکہ فرض سمجھ کر انجام دیتا ہے۔ مخالفین ہمیشہ اس کے نشانہ پر رہتے ہیں۔ جیسے ہی موقع ملے وہ ان پر چڑھ دوڑتا اور خوں ریزی شروع کر دیتا ہے۔ بعض لوگ اسے 'مقدس جنگ' کا نام دیتے ہیں اور تشریح اس طرح کرتے ہیں جیسے اس سے زیادہ غیر مقدس اور ناپاک جنگ اور کوئی نہ ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ 'جہاد' کا یہ مفہوم کہاں سے اخذ کیا گیا؟ کس آیت یا حدیث میں یہ بیان ہوا ہے یا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے کس اسوہ سے اس کا ثبوت مل رہا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ اس خوف ناک اور بھیانک تصوّرِ جہاد کے بارے میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ 'قلم درکفِ دشمن است'۔

جہاد کا معنیٰ ومفہوم

آئیے دیکھیں کہ 'جہاد' کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ حرب وضرب ہی کے لیے بولا جاتا ہے یا اس کا کوئی اور مفہوم بھی ہے؟ کیا اسلام نے جنگ کی اجازت، ناحق خوں ریزی اور قتل وغارت گری کے لیے دی ہے یا یہ کسی ارفع واعلیٰ مقصد کے لیے ہے؟ کیا اس کے کچھ حدود وقیود ہیں یا یہ ہر قاعدہ ضابطہ اور بندش سے آزاد ہے؟

لغت میں جہاد اور مجاہدہ کے معنی ہیں سخت محنت اور انتہائی جدّوجہد کرنا۔ اس میں مقابلہ کا تصوّر بھی ہے۔ یہ جدّوجہد اور مقابلہ حالتِ جنگ اور محاذِ جنگ پر حریف کے خلاف بھی ہوتا ہے اور اس کے دوسرے میدان بھی ہیں۔ یہ زبان کے ذریعہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے اور بھی طریقے ہو سکتے ہیں[۱]۔

علم وعمل اور اصلاحِ نفس کی جو کوشش ہوتی ہے اور اس کے لیے جو مشقّت برداشت کی جاتی ہے وہ بھی جہاد ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:۔

---

[۱] لسان العرب میں ہے: الجہاد المبالغۃ واستفراغ الوسع فی الحرب واللسان او ما اطاق من شئی۔ ۳۰/۱۳۵، مادہ ج ہ د
۳۶۶

جہاد کے معنی مشقت کے ہیں۔ شریعت میں جہاد کا مطلب ہے معاندین سے جنگ میں قوت کا لگانا۔ فرماتے ہیں جہاد کا لفظ نفس، شیطان اور فساق کے ساتھ مجاہدہ کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ مجاہدۂ نفس ہے دین کا علم حاصل کرنا، اس کے مطابق عمل کرنا اور پھر اس کی تعلیم دینا۔ شیطان سے مجاہدہ یہ ہے کہ شبہات اور وساوس کا، جو وہ دل میں ڈالتا ہے اور خواہشات کا جنھیں وہ بہت خوبصورت اور آراستہ کرکے دکھاتا ہے، مقابلہ کیا جائے۔ معاندین سے مجاہدہ قوت و طاقت سے، مال سے زبان اور دل سے ہوتا ہے۔ فاسقوں کے ساتھ مجاہدہ قوت سے، زبان سے اور دل سے ہوگا۔[1]

جہاد کی ان مختلف صورتوں کا قرآن و حدیث میں ذکر ہے۔

جہاد یا جنگ کا حکم تو مدینہ میں آیا، جہاں اسلامی ریاست قائم تھی اور مسلمانوں کو اجازت حاصل تھی کہ وہ اپنے مخالفین کے جور و ستم اور ریاست پر حملوں کا جواب دیں۔ مکہ میں بھی جہاد کی ترغیب دی گئی، جہاں مسلمان سخت نازک حالات سے گزر رہے تھے اور ان کے ساتھ بے پناہ زیادتیاں ہو رہی تھیں اور وہ اپنا دفاع کرنے کے موقف میں بھی نہیں تھے۔ یہ جہاد جنگ سے مختلف نوعیت کا جہاد تھا۔ سورۂ عنکبوت مکہ میں بڑے زہرہ گداز حالات میں نازل ہوئی، اس کے شروع ہی میں جہاد کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ (العنکبوت: ٦)	اور جو کوئی مجاہدہ کرتا ہے اپنی ہی ذات کے فائدہ کے لیے کرتا ہے اور اللہ تو تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

یہ دراصل مخالف ماحول میں دین پر استقامت اور احکامِ الٰہی کی پابندی کی ہدایت تھی۔ اسی کو جہاد یا مجاہدہ کہا گیا اور اسی میں فرد کی کامیابی قرار دی گئی۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ جہاد کے لفظ میں جنگ اور دشمن سے مقابلہ کا تصور ہے، اس لیے ہمارے مفسرین مکی آیات میں بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مکہ میں جنگ یا قتال کا حکم

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۶/ ۷۷ دار الفکر، بیروت ۱۹۹۶ء

دیا گیا تھا یا مکہ کے ماحول اور حالات میں بھی جہاد فرض تھا بلکہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس لفظ میں کتنی وسعت ہے اور کن پہلوؤں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے وہ جہاد کی تشریح کرتے ہیں تو قتال کے ساتھ جہاد کی دوسری صورتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قرطبی نے سورۂ عنکبوت کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔

ومن جاھد فی الدین	جس نے دین کے معاملہ میں جہاد
وصبر علی قتال الکفار واعمال	کیا اور مخالفین سے جنگ اور اعمال طاعت
الطاعات فانما یسعیٰ	پر استقامت کا ثبوت دیا تو اپنے ہی
لنفسہ ای ثواب ذالک	فائدہ کے لیے کیا یعنی اس کا پورا ثواب
کلہ لہ ولا یرجع الی اللہ	اسی کو ملے گا اور اللہ کو اس کا کوئی
نفع ذالک[1]	نفع نہیں پہونچتا۔

اسی آیت کے ذیل میں علامہ بغوی کہتے ہیں۔

الجہاد ھو الصبر علی	جہاد سختی پر صبر کرنے کا نام ہے۔
الشدۃ ویکون ذالک فی الحرب	اس کا اظہار جنگ میں اور کبھی نفس کی
وقد یکون علی مخالفۃ النفس[2]	مخالفت میں ہوتا ہے۔

یہی بات خازن نے بھی کہی ہے[3]

سورۂ عنکبوت ختم بھی جہاد ہی کے ذکر اور اس کی ترغیب پر ہوئی ہے ارشاد ہے۔

وَالَّذِینَ جَاھَدُوا فِینَا	اور جو مجاہدہ کریں ہمارے واسطے
لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ	ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھائیں گے
اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِینَ (آیت ۶۹)	بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہاں بھی جہاد کو منکرین و معاندین سے جہاد کے معنی میں لیا ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن: جلد ۷، جزء ۱۳ ص ۲۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان

[2] بغوی، معالم التنزیل علی ہامش الخازن ۵/۱۴۹

[3] خازن، حوالہ سابق۔

ای جاھدوا الکفار — یعنی جو کفار سے جہاد کریں، ہمارے واسطے
فینا ای فی طلب مرضاتنا — یعنی ہماری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے۔

اس کے بعد خود ہی فرماتے ہیں کہ سُدّی وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ آیت جنگ فرض ہونے سے قبل نازل ہوئی تھی (اس لیے یہاں جنگ مراد نہیں ہو سکتی) ابن عطیہ نے کہا ہے کہ اس آیت کا نزول اصطلاحی جہاد سے پہلے ہوا تھا۔ اس میں اللہ کے دین کی خاطر اور اس کی رضا کی طلب میں عمومی جہاد کا حکم ہے۔ ابو سلیمان دارانی کہتے ہیں: اس آیت میں جس جہاد کا ذکر ہے اسے صرف قتالِ کفار سے متعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس میں دین کی نصرت، باطل خیالات کے حاملین کی تردید اور ظالموں کا قلع قمع کرنا بھی داخل ہے۔ ان میں سب سے نمایاں پہلو 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' ہے۔ اس میں نفس کا مجاہدہ بھی آتا ہے جو جہادِ اکبر ہے[1]

اس آیت کے ذیل میں علامہ بغوی کہتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ مجاہدہ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی پر صبر کے ساتھ جمنے اور خواہشات کی مخالفت کا نام ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ طلبِ علم میں مجاہدہ کرتے ہیں، اس کے نتیجہ میں ہم ان کو علم و عمل کی راہیں دکھاتے ہیں۔ سہل بن عبداللہؒ کہتے ہیں جو ہمارے راستہ میں اقامتِ سنت کی کوشش کریں گے ہم انھیں جنت کی راہیں دکھائیں گے[2]

امام رازی کے نزدیک یہاں وہ جدّوجہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی راہ میں کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

جو اطاعت کے ذریعہ جدّوجہد کرے اسے اللہ تعالیٰ جنت کے راستے دکھلائے گا۔[3]

حقیقت یہ ہے کہ مکہ میں جہاد خارج کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے معنی میں نہیں تھا بلکہ یہ جہاد نفس کی سرکش طاقتوں کے خلاف تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و

---

[1] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۷ جز ۱۳ ص ۳۴۴

[2] بغوی، معالم التنزیل علی ہامش الخازن: ۶۰/۵

[3] رازی، مفاتیح الغیب: ۸۳/۲۵ دار الکتب العلمیۃ لبنان ۱۹۸۳ء

بندگی میں صبر واستقامت کے لیے تھا۔ یہ علمی لحاظ سے اپنے آپ کو تیار کرنے اور کردار کے پہلو سے خود کو مضبوط بنانے کے لیے تھا۔ یہ وہ جہاد ہے جو زندگی بھر جاری رہتا ہے اور اسے لازماً جاری رہنا چاہیے۔

جہاد بالنفس

انسان کے نفس میں بدی کی طرف شدید رجحان پایا جاتا ہے۔ وہ برائیوں کی ترغیب دیتا اور معصیت پر ابھارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری سے باز رکھتا اور خیر کی طرف قدم بڑھانے سے منع کرتا ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد ہے۔

ان النفس لأمارة بالسوء	بے شک نفس بدی پر اکسانے والا ہے۔ (یوسف: ۵۳)

نفس کی اس کیفیت کے خلاف جدّوجہد کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کی طرف موڑنا شریعت میں مطلوب ہی نہیں، واجب اور ضروری ہے۔ حدیث میں مومن کی ایک پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نفس کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔ حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

المجاهد من جاهد نفسه[1]	مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا۔

یہی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے۔

المجاهد من جاهد نفسه فى طاعة الله و المهاجر من هجر الخطايا والذنوب[2]	مجاہد وہ ہے جس نے اپنے نفس سے اللہ کی اطاعت کے لیے جدّوجہد اور کشمکش کی اور مہاجر وہ ہے جس نے خطاؤں اور گناہوں کو چھوڑ دیا۔

اس کے ذیل میں ملا علی قاریؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے نفس

---

[1] ترمذی، فضائل الجہاد، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطا۔

[2] مسند احمد: ۷/ ۳۵، ۳۶۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۴ء، مشکوٰۃ، کتاب الایمان بحوالہ بیہقی۔

سے جہاد ہی جہادِ اکبر ہے۔ اسی سے جہاد اصغر ابھرتا ہے[١]

اسی جہاد بالنفس کے متعلق حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جہاد کرتا ہے جب کہ اسے مدت العمر ایک بار بھی تلوار چلانی نہیں پڑتی،[٢]

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا 'ای الناس افضل' سب سے بہتر انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔

رجل یجاھد فی سبیل اللہ	وہ شخص جو اللہ کے راستے میں اپنے مال
بمالہ ونفسہ[٣]	اور نفس کے ذریعہ مجاہدہ کرے۔

مجاہدہ فی سبیل اللہ یا اللہ کے راستہ میں جہاد جان اور مال دونوں سے ہوتا ہے۔ اس میں 'دشمنانِ حق' کے ساتھ قتال یا جنگ کے ساتھ اللہ کی اطاعت کے لیے نفس سے کشمکش بھی داخل ہے۔ امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ایک عنوان قائم کیا ہے 'باب من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا اس کی فضیلت کا بیان۔ اس باب کے تحت حافظ ابن حجر نے علماء کے حوالہ سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں دیا جارہا ہے۔

'مجاہدہ سے مراد نفس کو اس بات سے باز رکھنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ کسی دوسری چیز کا قصد کرے'۔

محدّث ابن بطالؒ کہتے ہیں کہ نفس سے جہاد کامل ترین جہاد ہے۔ یہ جہاد یہ ہے کہ نفس کو معاصی کے ارتکاب سے اور شبہات میں پڑنے سے باز رکھا جائے اور جائز اور مباح خواہشات کی تکمیل میں بہت زیادہ لگے رہنے سے منع کیا جائے تاکہ یہ سب چیزیں آخرت میں اس سے کہیں زیادہ نصیب ہوں۔

امام قشیریؒ کہتے ہیں اصل مجاہدۂ نفس یہ ہے کہ اسے مالوفات سے چھڑایا جائے اور خواہشات کے خلاف چلایا جائے۔ نفس کی دو خصوصیات ہیں۔ ایک ہے شہوات میں انہماک اور دوسری ہے اطاعت و فرمانبرداری سے بے رغبتی اور دوری مجاہدہ اس کے حسبِ حال ہوتا ہے۔

---

[١] ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح، شرح مشکوٰۃ المصابیح: ١/ ١٩٩۔ دارالفکر، بیروت ١٩٩۴ء۔

[٢] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ٣/ ٤٠٤　[٣] مسلم، کتاب الامارہ، باب فضل الجہاد والرباط ٣٧١

بعض ائمہ نے کہا ہے کہ دشمن سے جہاد کے مفہوم میں نفس سے جہاد داخل ہے اس لیے کہ دشمن تین ہیں۔ ان میں سب سے بڑا دشمن تو شیطان ہے۔ پھر نفس ہے جو (ایک مومن کو) ان لذّتوں کی دعوت دیتا ہے جو لبسا اوقات حرام کے ارتکاب تک پہونچاتی اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی موجب بنتی ہیں۔ شیطان اس معاملہ میں معاون اور مددگار ہوتا ہے اور لذّتوں کو پرکیف اور پرکشش کرکے دکھاتا ہے۔ جو شخص خواہشاتِ نفس کا ساتھ نہ دے اور ان کی مخالفت اور مزاحمت کرے وہ اپنے شیطان کو زیر کرتا ہے۔ مجاہدۂ نفس یہ ہے کہ آدمی اسے اللہ تعالیٰ کے اوامر اور احکام کی اتباع اور اس کی نواہی سے اجتناب پر آمادہ کرے۔ بندہ اگر نفس پر قابو پالے تو معاندین سے مقابلہ بھی اس کے لیے آسان ہوگا۔ پہلا عمل جہادِ باطن ہے اور دوسرا جہادِ ظاہر۔ مختصر یہ کہ آدمی نفس کی تمام کیفیات اور حالات میں چوکنا اور بیدار رہے۔ اس سے وہ غفلت برتے گا تو نفس اور شیطان اس پر مسلّط ہو جائیں گے اور ممنوعات و محرمات میں اسے مبتلا کردیں گے۔[1]

اس موضوع سے متعلق ایک روایت عام طور پر مشہور ہے۔ یہ سند کے لحاظ سے کم زور ہے لیکن معناً صحیح ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کسی غزوہ سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قدمتم خیر مقدم، وقدمتم من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر[2]	تمہاری واپسی مبارک ہے، تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف آئے ہو۔

اس حدیث میں باطل طاقتوں کے خلاف جہاد کو 'جہاد اصغر' اور اپنے نفس کے خلاف جہاد کو 'جہاد اکبر' کہا گیا ہے۔ یہ بات دو پہلوؤں سے مبنی برحقیقت ہے۔

---

[1] ابن حجر، فتح الباری: ۱۳/ ۱۳۸ - ۱۳۹

[2] اس حدیث کو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اور دیلمی نے مسند میں نقل کیا ہے۔ علامہ مناوی کہتے ہیں 'اسنادہ ضعیف'۔ التیسیر بشرح الجامع الصغیر: ۲/ ۱۹۵۔ دار الطباعۃ العامرہ۔ مصر ۱۲۸۶ھ۔ یہ حدیث بیہقی نے کتاب الزہد میں روایت کی ہے اور اسے ضعیف کہا ہے، حافظ ابن حجر کے بقول اس کے تین راوی ضعیف ہیں۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث سنداور معنی دونوں لحاظ سے بے اصل ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ البانی: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ: ۵/ ۴۷۸ - ۴۸۱۔ مکتبۃ المعارف، ریاض ۱۹۹۶ء

ایک یہ کہ نفس کی سرکشی اور بغاوت اور نامطلوب خواہشات کے خلاف جہاد ہر صاحبِ ایمان کو لازماً کرنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ فرضِ عین ہے۔ جب کہ باطل قوتوں سے جنگ فرضِ کفایہ ہے۔ اس میں بعض ہی افراد حصہ لیتے ہیں۔ عام حالات میں سب کی شرکت نہیں ہوتی۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان قوتوں سے مقابلہ اور محاذ آرائی کی نوبت کبھی کبھی آتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی نہ آئے، لیکن نفس کے خلاف جہاد ہر وقت اور مسلسل کرنا پڑتا ہے، یہ زندگی بھر جاری رہتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہر آبادی میں ایک عالم دین کے ساتھ ایک مصلح اور مربّی کا پایا جانا ضروری ہے۔ یہ فرضِ کفایہ کے حکم میں ہے۔ تاکہ عالم دین احکام دین بتائے اور لوگ وقتِ ضرورت اس کی طرف رجوع کرسکیں۔ دوسری طرف جو مربّی ہے وہ اصلاح و تربیت کا فرض انجام دے اور لوگ اس معاملہ میں اس سے فائدہ اٹھائیں۔ لیکن اس تقسیم کی خرابی یہ ہے کہ اس سے آہستہ آہستہ علماء اور اصحابِ تربیت کے دو طبقات پیدا ہو جائیں گے۔ عملاً ایسا ہوا بھی ہے جو شریعت کے عالم ہوتے تھے وہ خدا ترسی اور تقویٰ کا بہتر نمونہ نہیں پیش کرسکے اور جو اصلاح و تربیت کی خدمت انجام دیتے وہ علم دین کے لحاظ سے کم زور رہے۔ اس کے نقصانات واضح ہیں۔ اس کے علاوہ یہ تقسیم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ صحابہ میں نہیں تھی۔ آپ کی ذاتِ اقدس تعلیم اور تربیت دونوں پہلوؤں سے امت کے لیے ہمیشہ اسوۂ حسنہ رہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر فرد معلّم اور مربّی تھا۔ اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ دین کا علم رکھنے والے ہی کو مربّی اور مصلح ہونا چاہیے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے جو مربّی ہے اسے عالم دین ہونا چاہیے۔ جہاں ایک فرد میں یہ دونوں صلاحیتیں نہ ہوں وہاں احتیاط کے ساتھ تعلیم و تربیت کے الگ الگ دائروں میں دو مختلف افراد سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

جہاد بالنفس کے لیے قرآن مجید میں 'صبر بالعبادہ' کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی پر ثابت قدم رہنا اور اس کے لیے ہر طرح کی تکلیفیں برداشت کرنا۔ اس کی ہدایت ان الفاظ میں ہے:

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا — وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور

بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○ (مریم: ۶۵)

جو کچھ ان کے درمیان میں ہے اس کا بھی۔ پس تم اس کی عبادت کرو، اس کی عبادت پر جمے رہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے ہم نام (اس کی صفات والا) کوئی اور ہے؟

نماز پر اس صبر اور استقامت کا حکم اس طرح دیا گیا ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ (طٰہٰ: ۱۳۲)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اس پر قائم رہو۔

وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جو نفس کے ساتھ اس جہاد میں کامیاب ہو جائے۔

جہاد باللسان

جہاد زبان سے بھی ہوتا ہے۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اس کے فروغ و اشاعت کے لیے زبان سے جو کوشش ہو وہ بھی جہاد ہے۔ دعوتِ دین کے لیے تین طریقے اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ایک یہ کہ اسلام کو 'حکمت' کے ساتھ پیش کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی وضاحت، دلائل و براہین سے اس طرح ہو کہ اس کا حق ہونا ثابت ہو جائے اور کسی بھی صاف ذہن اور غیر متعصّب فرد کے لیے اس کی معقولیت اور معنویت کا انکار آسان نہ رہے۔ دعوت کے لیے دوسرا طریقہ 'موعظ حسنہ' کا بتایا گیا ہے۔ اس میں انسان کے ضمیر، اس کی اخلاقی روح اور اس کے مذہبی جذبہ سے اپیل ہوتی ہے، خدا، رسول اور آخرت کا تصوّر انسان کی فطرت کے عین مطابق ہے۔ 'موعظ حسنہ' دعوت کے لیے ایک موثّر اور کارگر تدبیر ہے۔ دعوت کا تیسرا طریقہ بحث اور گفتگو کا ہے۔ یہ معروف معنی میں مذہبی مباحثہ یا مناظرہ نہیں ہے بلکہ قرآن کے الفاظ میں اسے 'جدالِ حسن' ہونا چاہیے، جس میں مشترک قدروں اور اتفاقی امور کی بنیاد پر گفتگو ہوتی ہے اور مخاطب کو خود اسی کے مسلّمات کے ذریعہ قائل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے[۱]۔ اس طرح کار دعوت انجام دینا جہاد ہے۔ مکہ میں اسی کا حکم دیا گیا اور اسے

[۱] دعوت کے ان تینوں طریقوں کا ذکر سورۂ نحل آیت نمبر ۱۲۵ میں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ "حکمتِ دعوت"، ماہنامہ زندگی نو نئی دہلی، اپریل مئی اور جولائی ۱۹۸۷ء

'جہادکبیر' کہا گیا۔ ارشاد ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ	اگر ہم چاہتے ہر بستی میں ایک ڈرانے
قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ۝ فَلَا	والا بھیج دیتے۔ پس تم کافروں کی بات نہ
تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ	مانو اور اس قرآن کے ذریعے ان سے جہاد کرو،
بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ۝ (الفرقان:۵۱)	بڑا جہاد۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اب تک ہر آبادی میں اللہ کے رسول آتے رہے ہیں، ہم چاہتے تو اب بھی ایسا کر سکتے تھے، لیکن اب ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ ساری دنیا کے لیے ایک پیغمبر ہو۔ چنانچہ آپ کو ساری دنیا کے لیے رسول بنایا گیا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی ہدایات پر ثابت قدم رہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر اور باغی ہیں ان کے راستہ پر نہ چلیں، ان کی اتباع نہ کریں اور ان سے 'جہادِ کبیر' جاری رکھیں، اسے 'جہادِ کبیر' اس لیے کہا گیا ہے کہ محاذِ جنگ پر دشمن سے نبرد آزما ہونا، تیغ و تبر سے حملہ آور ہونا، گولیاں برسانا، ٹینکوں کا چلانا اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ بم برسانا اور دشمن کی یورش کو سینہ پر روکنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا مخالف ماحول میں دین پر ثابت قدم رہنا، حق و صداقت کو لے کر چلنا، علم بردارانِ باطل کے عزائم کا مقابلہ کرنا، ان کے سامنے نہ جھکنا اور اللہ کے دین کی طرف مسلسل دعوت دیتے رہنا اور قدم قدم پر پیش آنے والی مزاحمتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرنا۔ شمشیر و سناں کی جنگ اس جنگ سے آسان ہے۔ ہمارے علماء نے صراحت کی ہے کہ یہی 'جہادِ کبیر' ہے اور مکہ میں اس کو جاری رکھنے کا حکم دیا گیا ہے[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان المومن یجاھد بسیفہ ولسانہ[2] — مومن اپنی تلوار سے اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد تلوار ہی سے نہیں، زبان سے بھی ہوتا ہے۔ زبان جنگ اور امن دونوں حالات میں استعمال ہو سکتی ہے۔ وہ تخریب کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور تعمیر کی خدمت بھی انجام دے سکتی ہے۔ ایک مومن کی زبان جب بھی کھلے گی حق و انصاف کے لیے کھلے گی۔ دعوتِ دین، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے حرکت میں آئے گی۔ مومن کا کسی سے اختلاف ہوگا تو اسی کے لیے ہوگا اور اس کی جنگ ہوگی تو اسی کے لیے ہوگی۔

---

[1] ملاحظہ ہو سہ ماہی تحقیقات اسلامی جنوری۔ مارچ سن۲۰۰۲ء راقم کا مقالہ 'غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کا شرعی موقف'، ص ۲۰-۲۱

[2] مسند احمد: ۳/۴۵۶، ۴۶۰ - ۶/ ۳۸۷، ۵۲۳

مدینہ میں منکرین اور منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ	اے نبیؐ، کفار اور منافقین دونوں کا
وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ط	پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے
وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ط وَبِئْسَ	ساتھ سختی سے پیش آؤ، آخر کار ان کا ٹھکانا
الْمَصِیْرُo (التوبہ: ۷۳)	جہنم ہے اور وہ بدترین جائے قرار ہے۔

یہ بات سورۂ حشر (آیت ۹) میں بھی کہی گئی ہے۔ الفاظ بھی یہی ہیں۔ ان آیات میں بیک وقت دو طرح کے جہاد کا حکم ہے۔ وہ لوگ جو اسلام کے دشمن ہیں اور اسلامی ریاست پر حملہ آور ہیں حکم ہے کہ قوت سے ان کو روکا جائے۔ ان سے جنگ کی جائے تاکہ وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن مسلمانوں کے درمیان جو منافق تھے ان کے لیے یہ حکم نہیں تھا۔ ان سے جہاد کی نوعیت اس سے مختلف تھی۔ ان کے ساتھ جہاد وعظ و نصیحت، تذکیر و تنبیہ اور زجر و ملامت کے ذریعہ ہوتا تھا۔ کسی منافق کی گردن نہیں ماری جائے گی اور نہ ماری گئی۔ جو فرد یا گروہ نفاق کے مرض میں مبتلا ہو اسے سمجھایا جائے گا، نصیحت کی جائے گی، اگر وہ کوئی ایسا عمل کرے جس کی وجہ سے حد لازم آئے تو حد نافذ کی جائے گی یہی ان کے ساتھ جہاد ہے۔ مفسرین نے اس فرق کو مختلف الفاظ میں بیان کیا ہے۔ جلالین میں ہے۔

جاھد الکفار بالسیف	منکرین سے جہاد کرو تلوار سے اور
والمنافقین باللسان والحجۃ[1]	منافقین سے زبان سے اور دلیل سے۔

بیضاوی کہتے ہیں۔

جاھد الکفار بالسیف	منکرین سے جہاد کرو تلوار سے اور
والمنافقین بالزام الحجۃ	منافقین سے دلیل کی قوت سے اور
واقامۃ الحدود[2]	ان پر حدود قائم کرکے۔

سورۂ حشر کی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

---

[1] سیوطی: تفسیر الجلالین ص ۲۵۲، دار المعرفۃ، لبنان ۱۹۸۳ء

[2] بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل: ۱/۱۳، دار الکتب العلمیۃ، لبنان ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

جاھد الکفار بالسیف	منکرین سے جہاد کرو تلوار سے اور
والمنافقین بالحجۃ واغلظ	منافقین سے دلیل کے ذریعہ اور ان کے ساتھ
علیھم واستعمل الخشونۃ	درشتی سے پیش آؤ۔ ان سے جس معاملے میں جہاد
فی ما تجاھدھم بہ اذا	ہو اس میں سختی کا استعمال کرو جب نرمی اپنی
بلغ الرفق مداہ[1]	حد کو پہونچ جائے۔

ہاں اگر منافقین کا کوئی گروہ تلوار اٹھا لے، دشمنوں سے ساز باز کرلے اور اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کر بیٹھے تو اس کے ساتھ جہاد بالسیف ہوگا۔ جب تک اس کی نوبت نہ آئے ان کے خلاف تلوار نہیں استعمال کی جائے گی۔

امت کے بگاڑ کو ختم کرنے اور اس کی فکری و عملی گمراہیوں کو مٹانے کی کوشش کو بھی جہاد کہا گیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من نبی بعثہ اللہ فی	اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی کسی امت
امۃ قبلی الا کان لہ من	میں بھیجا اس میں اس کے مددگار اور ایسے
امتہ حواریون واصحاب	اصحاب پائے گئے جو اس کی سنت کو
یأخذون بسنتہ ویقتدون	پکڑے رہے اور اس کے حکم کی اتباع کرتے
بامرہ، ثم انہا تخلف من	رہے۔ پھر یہ ہوا کہ ان کے بعد برے جانشین
بعدھم خلوف یقولون	ہونے لگے جو وہ (دین کی باتیں) کہتے جن
مالا یفعلون، ویفعلون	پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور وہ کام کرتے
مالا یؤمرون، فمن جاھدھم	جن کا انھیں حکم نہیں تھا۔ پس جو ان سے
بیدہ فھو مومن، ومن	اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے، جو
جاھدھم بلسانہ فھو	ان سے اپنی زبان سے جہاد کرے وہ مومن
مومن، ومن جاھدھم بقلبہ فھو	ہے اور جو ان سے اپنے دل سے جہاد کرے
مومن، ولیس وراء ذالک من	وہ مومن ہے۔ اس کے بعد تو رائی کے
الایمان حبۃ خردل[2]	دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

---

[1] حوالۂ سابق ۲/۵۰۷

[2] مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان الخ

یہ حدیث صراحتاً بتاتی ہے کہ امت کی اصلاح کا عمل بھی جہاد ہے۔ اس جہاد کی اس پہلو سے بڑی اہمیت ہے کہ اسی سے امت کی وحدت برقرار رہے گی۔ یہ جہاد اسے جوڑے رکھے گا اور اس کی تقویت کا باعث ہوگا۔

زبان کے ساتھ قلم سے بھی یہ خدمت انجام دی جاسکتی ہے۔ دونوں خیالات کے اظہار اور تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ ہیں۔

جہاد بالمال

حضرت ابوسعید خدریؓ کی یہ روایت گزر چکی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ "ای الناس خیر" (بہترین انسان کون ہے؟) آپ نے فرمایا:۔

رجل جاھد بنفسہ ومالہ[۱] — وہ شخص جس نے اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاد نفس اور جان ہی سے نہیں مال سے بھی ہوتا ہے۔ جہاد بالنفس کا مفہوم جس طرح وسیع ہے اسی طرح جہاد بالمال کے مفہوم میں بھی وسعت ہے۔ اس میں غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرنا، تعلیم و تربیت کے لیے خرچ کرنا، دعوت و تبلیغ اور دین کے فروغ کے لیے پیسہ صرف کرنا، دین کی سربلندی کے لیے مالی تعاون کرنا اور اسی نوعیت کے بہت سے اعمالِ خیر آسکتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کی قرآن و حدیث میں جتنی صورتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے ہر صورت کو جہاد بالمال کا نام دیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ جہاد کو قتل و غارت گری، بے رحمی، تشدّد اور وحشیانہ کردار کا ہم معنی سمجھتے ہیں انھیں اسلام کے پاکیزہ تصوّرِ جہاد کو سمجھنا چاہیے۔ زندگی کے اعلیٰ وارفع مقاصد کے لیے سخت محنت اور جدّوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ تربیت و تزکیہ، خیر کے پھیلانے، شر کے مٹانے، امت کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے اپنی تمام تر توانائی صرف کرنے اور جان و مال کھپانے کا نام ہے۔ بلا شبہ اسلام نے جنگ اور قتال کا حکم دیا ہے۔ اسے وہ جہاد فی سبیل کہتا ہے۔ اللہ کے راستہ میں جہاد ایک پاکیزہ مقصد ہے۔ اس پاکیزہ مقصد کے لیے ناپاک طریقے یا ذرائع اختیار کرنے کی اس نے اجازت نہیں دی ہے۔ اس کے لیے وہ سخت شرائط اور حدود عائد کرتا ہے۔ اس پر ان شاء اللہ تفصیل سے آئندہ گفتگو ہوگی۔

---

[۱] بخاری، کتاب الرقاق، باب العزلۃ راحۃ من خلاط السوء، مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجہاد والرباط۔